یہ زندگی نہیں کوئی فسانہ

از قلم سنبل توصیف

مکمل ناولٹ

اسلامُ علیکم !

بازار آف ناولز پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمارے پلیٹ فارم کا مقصد قارئین تک اردو ادب کا بہترین مواد پہنچانا ہے۔ بہترین ناولز کی پی۔ڈی۔ایف کے لیے ہماری ویب سائٹ ضرور وزٹ کریں۔

اگر آپ لکھاری ہیں اور بہترین مواد لکھتے ہیں، جو بے حیائی سے پاک اور عمدہ کونٹینٹ پر مبنی ہوتا ہے، لیکن آپ کے کام کو پذیرائی نہیں ملتی تو اپنا لکھا ہمیں ضرور بھیجیں۔ بازار آف ناولز کو آپ جیسے لکھاریوں کی اشد ضرورت ہے۔ آپ ہم تک دیے گئے پلیٹ فارمز کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں۔

Website : www.baazarofnovels.com

Gmail : baazarofnovels@gmail.com

Instagram : @baazarofnovels

WhatsApp : +92 3158473374

انتساب!

میری کہانی ان تمام بہنوں اور بیٹیوں کے نام جو ناول پڑھنے کی دلدادہ ہیں۔اس کہانی کا مرکزی کردار زینب ہر اس لڑکی کیلئے سبق ہے جو افسانوی دنیا کو سب کچھ جانتے بوجھتے حقیقت سے نظریں چرانے کی کوشش کرتی ہے۔امید ہے کہ یہ کہانی آپ کو پسند آئے گی۔

جامعہ لاہور برائے خواتین میں امتحانات کا سلسلہ اختتام پذیر ہونے کو تھا۔ یہ منظر طعام خانے (کینٹین) کا تھا۔ جہاں بہت سی طالبات امتحانات کے آنے والے نتائج کی فکر میں ہلکان تھیں، وہیں کچھ بے فکری سے گپیں ہانکنے میں مصروف نظر آرہی تھیں۔ انہی سب میں ایک گروہ زینب، نمرہ، ہانیہ اور مریم کا بھی تھا جو مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہی تھیں۔

"ہاں بھئی۔ پڑھائی تو ہوئی ختم۔ پھر آگے کا کیا سوچا ہے تم سب نے؟" زینب نے سامنے رکھے سموسوں کے ساتھ ہری چٹنی کے چٹخارے لیتے ہوئے پوچھا۔

"سوچنا کیا ہے؟ وہ اور لوگ ہوتے ہیں جو ڈگری لینے کے بعد در در نوکریاں تلاشتے ہیں۔ ہم سب کی تو شادیاں ہوں گی شادیاں۔" یہ تھی نمرہ، جس کی اپنے چچازاد سے کچھ ہی عرصے قبل منگنی ہوئی تھی۔ اس کی بات پر سب کا فلک شگاف قہقہہ ابل پڑا۔

"فٹے منہ نمرہ۔ منہ اچھا نہ ہو تو کم از کم بات ہی اچھی کر لیا کرو۔" ہانیہ نے دہل کر اسے ٹوکا۔ کیونکہ وہ ڈگری کے بعد ایک اچھی نوکری کر کے اپنا نام و مقام بنانا چاہتی تھی۔ اس کی خالہ کچھ عرصے سے اس کا رشتہ مانگ رہی تھیں۔ مگر ہانیہ بی بی اپنے پروں پر پانی ہی نہ پڑنے دے رہی تھی۔

"ہاں تو اس میں غلط ہی کیا ہے۔ نمرہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔" زینب نے بھی نمرہ کی حمایت کی۔ چونکہ مریم مزاجاً کم گو تھی۔ اس لیے فی الحال خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی تھی۔

"اچھا چھوڑو یہ بحث۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم سب کیسے انسان سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ کیونکہ کہیں نہ کہیں ہم اپنے ہمسفر کو لے کر کچھ معیار بناتے ہیں۔ جیسے کہ میرے منگیتر عثمان بالکل ویسے ہی ہیں جیسا میں نے سوچا تھا۔ اب تم لوگ بھی جلدی سے بتاؤ۔" نمرہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں ایسے انسان سے شادی کرنا چاہتی ہوں جو مجھ پر اپنی مرضی تھوپنے کی بجائے میرے فیصلوں کا احترام کرے۔" سب سے پہلے ہانیہ نے اپنا پہلو سامنے رکھا۔

"میری اس بارے میں کوئی ختمی رائے نہیں ہے۔ مگر میرے خیال میں شادی ایسے انسان سے کرنی چاہیے جو ہر چیز میں اعتدال سے کام لے۔" نمرہ کے دیکھنے پر مریم نے سادگی سے جواب دیا۔

"اور میں چاہتی ہوں کہ ایسے انسان سے شادی کروں جو مجھ سے عمر میں کافی بڑا ہو۔ سنجیدہ اور اکھڑ مزاج بھی ہو۔ ایک اچھا طرز زندگی رکھتا ہو۔ اور اس کی شخصیت ایسی ہو کہ چار لوگ میری قسمت پر رشک کریں۔" زینب نے بند آنکھوں سے تصور کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ بی بی۔ خوابوں کی دنیا سے باہر آؤ۔ یہاں تمہارے ناولز کی تخیلاتی دنیا کی بات نہیں ہو رہی۔ یہ حقیقی دنیا ہے۔ اس دنیا میں تمہیں پھپھو کا بشیر یا ماموں کا شفیق ہی ملنا ہے۔" نمرہ نے اسے آڑے ہاتھوں لے کر حقیقت میں پٹخنے کی ناکام کوشش کی۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ یہ تو پھر ایک انسان ہے۔ مجھے بھی مل ہی جائے گا۔" زینب نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"ہاں بالکل۔ تمہارے اباجی کی فیکٹری ہے نا۔ تو وہیں سے آرڈر پر تیار کروالینا۔ کیونکہ ایسا انسان اس دنیا میں تو ملنے سے رہا۔" نمرہ کے ٹکڑا لگانے پر ہانیہ اور مریم بہت محظوظ ہوئیں۔ جبکہ زینب کو تو گویا آگ ہی لگ گئی۔

"تم ذرا مجھ سے بچ کر ہی رہو نمرہ بی بی۔" وہ نمرہ کی جانب مارنے کو لپکی مگر مریم اور ہانیہ نے اسے قابو کر کے پر سکون کیا۔ اس کے بعد چاروں اس بحث سے ہٹ کر ایک نئے موضوع کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

ہانیہ اور نمرہ کے گھر چلے جانے کے بعد وہ دونوں جامعہ کے باہر بنے پوائنٹ پر انتظار کر رہی تھیں۔ مریم اکیلے ہی گھر چلی جاتی تھی۔ جبکہ زینب کو گھر سے ڈرائیور لینے آتا تھا۔ اکثر اوقات اس کے تنہا رہ جانے کے خیال سے مریم بھی اس کے ساتھ رک جاتی تھی۔

"زینب۔ ایک بات کہوں۔ یہ افسانوی دنیا کی باتیں صرف پڑھنے اور سننے میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ درحقیقت یہ صرف ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ ناولز اور افسانوں میں ہیرو کا اکھڑ اور غصیلا

ہونا بہت لطف دیتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں ایسے انسان سے پالا پڑ جائے تو سوائے دکھ اور اذیت کے کچھ نہیں ملتا۔ یہ اصل دنیا ہے۔ یہاں ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں برابر پائی جاتی ہیں۔ کوئی بھی اتنا کامل نہیں ہوتا کہ اس سے غلطیاں سرزد نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے میرا تمہیں یہی مشورہ ہے کہ تم ان افسانوی باتوں میں پڑنے کی بجائے حقیقی زندگی میں جینا سیکھو۔" نمرہ اور ہانیہ کے گھر جانے کے بعد وہ دونوں اکیلی رہ گئی تھیں جب مریم نے زینب کو سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی۔

"اوہو۔ بس کردو یار۔ یہ میرے جڑے ہاتھ دیکھو تم۔ میں اچھے سے جانتی ہوں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ یہ میری زندگی ہے تو اس کو اپنی مرضی سے جینے کا اختیار بھی مجھے ہی ہونا چاہیے۔ تم سب اپنے کام سے کام رکھا کرو۔" زینب نے مریم کی بات پر زچ ہوتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے مریم اسے پھر سے سمجھاتی کہ زینب کا ڈرائیور اسے لینے آگیا۔ تو وہ بنا مریم کی جانب دیکھے تیزی سے اس میں سوار ہو کر اپنے گھر کیلئے روانہ ہو گئی۔ مریم نے دکھ سے اسے جاتے دیکھا اور اس کے اچھے نصیب کیلئے دعا کر کے اپنے گھر کے راستے کی جانب چل پڑی۔

رات کو تمام افراد کھانے کے بعد ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے۔ خاصا رونق کا سا سما تھا۔ اور یہ رونق زینب کے دم سے تھی جو اپنے بھتیجے اور بھتیجیوں کے ساتھ لڈو کھیلتے ہوئے خود بھی بچی بنی ہوئی تھی۔

"آج ہماری بلبل کا آخری پیپر تھانا۔ کیسا ہوا؟" زینب جو بچوں کے ساتھ مصروف تھی، فاروق صاحب کے مخاطب کرنے پر متوجہ ہوئی۔

" جی پاپا۔ الحمدللہ بہت اچھا ہو گیا۔ اور شکر ہے میری تو اس سے جان چھوٹی۔" زینب نے مصنوعی تشکر آمیز آہ بھری۔

"ارے۔ ایسے کیسے جان چھوٹی؟ میں تو سوچ رہا ہوں کہ تمہارا ایم فل میں ایڈ میشن کروادوں. کیا خیال ہے؟" اب کے زینب کے چھوٹے بھائی حاتم نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہر گز نہیں۔ اتنی مشکلوں سے تو مجھے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ کیوں میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے بڑے دشمن بنے پھرتے ہیں۔" آگے کی پڑھائی کا سن کر زینب تو اچھل ہی پڑی۔ جبکہ باقی سب مسکرا دیے۔

جانتے جو تھے کہ سوائے ناولز کے باقی پڑھائی سے اس کی کتنی جان جاتی ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی کند ذہن تھی۔ بلکہ امتحانات میں ہمشہ اچھے نمبروں سے پاس ہوتی تھی۔ بس وہ صرف دو کاموں میں ہی گہری دلچسپی لیتی تھی۔ ایک ناولز پڑھنا اور دوسرا گھر داری۔ اسی لیے کلثوم بیگم اسے کچھ نہ کہتیں۔ وہ الگ بات کہ اس کے حد سے زیادہ ناولز پڑھنے کی عادت سے وہ ہمیشہ نالاں رہتی تھیں۔ ٹوکنے کا کوئی

فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ الٹا اس کے حمایتی اس کا دفاع کرنے کھڑے ہو جاتے۔ جس پر کلثوم بیگم صرف کڑھ کر رہ جاتیں۔

"مذاق کر رہا تھا۔ ہمیں پتا ہے کہ تمہیں بچپن سے ہی دلہن بننے کا کتنا شوق ہے۔ یاد ہے بچپن میں ہم سب سے پوچھا جاتا کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ زینب کا جواب سب سے انوکھا ہوتا۔ یہ کہتی کہ میں تو بڑے ہو کر دلہن بنوں گی۔" حاتم نے زینب کے بچپن کی بات کا حوالہ دیا تو جہاں زینب کا چہرہ شرمندگی سے سرخ پڑا، وہیں باقی سب اپنے قہقہے پر ضبط نہ کر سکے۔

"خبردار ! جواب کسی نے ہماری بیٹی کو تنگ کیا تو۔ اور بچپن میں سب بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" فاروق صاحب نے زینب کو ساتھ لگاتے حاتم کو مصنوعی جھاڑ پلائی۔ جس پر زینب نے حاتم کو زبان چڑائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"کیا ہوا کلثوم؟ کن سوچوں میں گم ہیں؟" رات کو بستر پر نیم دراز ہوتے ہی فاروق صاحب نے ان سے استفسار کیا۔

"فاروق صاحب! زینب کو اتنا بھی سر پر مت چڑھائیں۔ کل کلاں کو اس کی شادی ہو گی۔ تو جانے سسرال والے کیسے لوگ ہوں گے۔ اس لیے بیٹیوں کو ایک حد تک پیار و محبت دیں۔ نہیں تو مستقبل میں صرف زینب کو ہی نہیں ہمیں بھی پریشانی ہو سکتی ہے۔" کلثوم بیگم سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"آپ کی اس بات سے تو میں بالکل بھی متفق نہیں۔ بیٹیوں کو جتنی محبت دی جائے وہ تھوڑی ہے۔ وہ تو بنی ہی بے لوث محبت کیلئے ہیں۔ مسقبل میں کیا ہو گا، کیا نہیں۔ اس کی بجائے حال پر توجہ دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ پھر ان کے حصے کی توجہ اور محبت سے ان کو محروم کیوں رکھا جائے۔" فاروق صاحب ان کی بات سن کر خفا ہوئے۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اس کی ہر خواہش پر لبیک مت کہا کریں۔ اور میں اس کی افسانے پڑھنے کی عادت سے بہت عاجز آ چکی ہوں۔ آپ کو پتا ہے کہ وہ افسانوی کرداروں کو خود پر اتنا سوار کر لیتی ہے کہ حقیقت میں بھی انہیں تلاشنے لگ جاتی ہے۔ اور یہ بالکل بھی ٹھیک بات نہیں ہے۔ بھلاں افسانوی کردار بھی حقیقت میں پائے جاتے ہیں؟ اس لڑکی کا تو دماغ خراب ہے بس اور کچھ نہیں۔ ٹھیک ہے ہم بحیثیت اس کے ماں باپ اس کی شادی کو لے کر بہت کچھ سوچے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کہتی ہے کہ شادی ایسے لڑکے سے کرے گی جو اکلوتا بھی ہو اور اس سے عمر میں کافی بڑا بھی ہو۔ یہ کوئی تک بنتی ہے؟" کلثوم بیگم ابھی بھی اپنے موقف پر قائم تھیں۔

"آپ کی بات بالکل بجا ہے۔ مگر یہ بھی مت بھولیں کہ یہ افسانے ہی اسے اس وقت ذہنی دباؤ سے نکالنے کا باعث بنے تھے جب اماں جان کا انتقال ہوا تھا۔ وہ وقت ہم سب کیلئے ہی بہت بھاری تھا۔ مگر زینب اماں جان سے حد درجہ مانوس تھی۔ وہ ان کی موت کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر یہ افسانوی کتابیں ہی اسے زندگی کی طرف لوٹانے میں مددگار ثابت ہوئی تھیں۔ رہی بات ان افسانوی کرداروں کی تو کہیں نہ کہیں ایسے کردار ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ تب ہی ہم ان کو کتابی صورت میں پڑھتے ہیں۔ تو یہ کوئی انہونی بات تو نہیں۔ اللہ نے ہماری زینب کا بھی بہترین جوڑ لکھا ہو گا۔"

فاروق صاحب نے دلائل سامنے رکھ کر گویا انہیں لاجواب کر دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں متعرف ہوئیں اور زینب کے اچھے نصیب کی دعائیں مانگ کر سونے کیلئے لیٹ گئیں۔

زینب کے والد فاروق صاحب ایک گورنمنٹ بینک کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ جبکہ والدہ کلثوم بیگم ایک گھریلو خاتون تھیں۔ زینب دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونے کے ساتھ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ دونوں بھائی ہاشم اور حاتم اچھی ملازمت کے ساتھ ساتھ شادی شدہ بھی تھے۔ ان کی بیویاں عافیہ اور آسیہ ان کی چچازاد تھیں۔ تمام مکین آپس میں پیار اور خلوص کے ساتھ ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔

آج اتوار کا دن تھا۔ پورا گھر سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ دن کے بارہ بج رہے تھے اور گھر کے مکین ابھی تک محو استراحت تھے۔ ان سب میں ایک وجود ٹی وی لاؤنج میں اخبار پکڑے شہہ سرخیوں پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ غالباً ناشتہ وہ کر چکا تھا۔ جبھی چائے کا خالی مگ اس کے پاس پڑا تھا۔ اسی اثناء میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو گیا۔ جو لمبی جمائی لیتے ہوئے سیدھا یہاں آ گیا تھا۔

"صبح بخیر۔ کیسے ہو ابراہیم؟ اتنی صبح صبح اٹھ گئے یارر۔ کم از کم اتوار کو تو آرام کر لیا کرو۔" مقابل نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"صبح بخیر کی بجائے دوپہر بخیر کہیں تو زیادہ بہتر ہے۔ خیر آپ بتائیں۔ اس بار کافی عرصے بعد اتنی چھٹیاں لے کر آئے ہیں اور مجھے بھی اتنی ایمر جنسی میں بلوایا ہے۔ لگتا ہے کوئی خاص بات ہے۔" ابراہیم نے لطیف سا طنز کرنے کے بعد عظیم (بڑے بھائی) سے استفسار کیا۔

"ہاں بھئی۔ سمجھو کہ خاص بات ہی ہے۔ فہیم (منجھلے بھائی) سے بات کرنے کے بعد ہم نے سوچا ہے کہ اس بار تمہیں شادی کے بندھن میں باندھ کر اس فرض سے سبکدوش ہوا جائے۔ خیر سے چونتیس برس کے ہو رہے ہو۔" ان کے تفصیلی جواب پر ابراہیم نے پہلو بدلا۔

"میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا بھائی۔" ابراہیم نے صاف انکار کیا۔

" ارے ایسے کیسے نہیں کرنی شادی۔ تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کوئی حسینہ تمہیں ماہی سے ماموں بنا کر چھوڑ کر چلی گئی ہو اور تم اس کا غم اب تک سینے سے لگائے جوگ کاٹ رہے ہو۔" عظیم نے اسے شریر نگاہوں سے دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بھائی۔ میرا دل نہیں مانتا۔ یہ ایک ذمہ داری ہوتی ہے جس کو نبھانا بہت مشکل ہے۔" ابراہیم نے اک گہری سانس خارج کی۔

"ارے میں تمہاری عمر میں تین بچوں کا باپ بھی بن چکا تھا۔ اور تم کہہ رہے کہ ابھی دل نہیں۔ دیکھو اگر کوئی پسند ہے تو ہے بتادو۔ ورنہ پھر ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ۔ اس بار ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔" عظیم کا چہرہ ان کے عزائم کے پختہ ہونے کا پتا دے رہا تھا۔ جس پر ابراہیم کو ماننے ہی بنی۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ چاہیں۔ لڑکی بھلے خوبصورت نہ ہو۔ مگر سمجھ دار، سلیقہ مند ہونے کے ساتھ وہ خالص گھریلو بھی ہونی چاہیئے۔" اس نے انہیں لڑکی کے متعلق اپنی پسند سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

"اچھا اچھا۔ تو یوں کہو نا کہ تمہیں پوری کی پوری دادی اماں چاہیئے۔" عظیم کے چھیڑنے پر اس کا چہرہ ضبط سے سرخ پڑا۔ جس کے نتیجے میں اس نے اخبار کو میز پر پٹخا۔

"اوہو۔ تم تو ناراض ہی ہو گئے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تم جیسا چاہو گے وہی ہو گا۔" اس کے رد عمل پر عظیم بوکھلا گئے۔ چند پل وہ انہیں ناراض نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد خاموشی سے باہر چلا گیا۔

جس پر عظیم نے گہری سانس بھری۔ شکر ہے وہ مانا تو سہی۔ اب وہ منجھلے بھائی کو اس کی رضامندی کی بابت مطلع کر رہے تھے تاکہ جلد از جلد یہ معاملہ نپٹا سکیں۔

اتنی دیر میں ان کی بیگم ماریہ بھی تشریف لے آئیں۔ اور ابراہیم کے شادی کیلیئے مان جانے پر خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔ مگر اس کی لڑکی کے حوالے سے شرائط سن کر منہ ہی بنا کر رہ گئیں۔

"لو جناب۔ ان صاحب کے بھی الگ ہی نخرے ہیں۔ اب بھلاں ایسی لڑکی کہاں سے لا کر دیں۔ اچھا خاصا مسز ملک کی بھتیجی کا رشتہ آیا تھا۔ مگر یہ موصوف پتا نہیں کون سی حور پری کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔ خیر اب جب ذمہ اٹھالیا ہی تھا تو اسے پار بھی انہوں نے لگانا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ اس بار اس کی شادی کروا کر ہی چھوڑیں گے۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ۔ شام میں شادی پر بھی جانا ہے۔" عظیم نے ان کی توجہ دوسری جانب لگائی۔

ناک منہ چڑھاتیں وہ تقریب کیلیئے تیار ہونے چل دیں۔ کیونکہ عظیم کے کاروباری حلقہ احباب میں کسی کی بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ موصول ہوا تھا۔ سو جانا لازمی تھا۔ کیا پتا وہیں پر کوئی لڑکی پسند آ جائے تو کتنی آسانی ہو جائے گی۔ اور وہ اس فکر سے آزاد ہو جائیں گی جو دن رات ان کے شوہر نامدار کو ہلکان رکھتی تھی۔

آج نمرہ کا شالیمہ (بارات اور ولیمے کی یکجا تقریب) تھا۔ جس میں زینب کے ساتھ ساتھ باقی سہیلیوں نے بھی شرکت کی تھی۔ پیازی رنگ کا دیدہ زیب لباس پہنے زینب کا دلکش سراپا کئیں نظروں کے حصار میں آیا تھا۔ جن میں اکثریت اپنے سپوتوں کیلئے اپسرا تلاشنے والی ماؤں کی تھی۔ چند ایک تو باقاعدہ اسے اپنے پاس روک کر اس کا مکمل سوانحی خاکہ (بائیوڈیٹا) معلوم کر چکی تھیں۔ جس پر زینب خاصی کوفت کا شکار ہوئی۔ جبکہ اس کے ساتھ کھڑی مریم اور رہانیہ نے خوب ریکارڈ لگایا۔

ان خواتین میں ایک ماریہ بھی تھیں جن کی آنکھیں زینب کو دیکھ کر چمک اٹھی تھیں۔ گویا انہیں ہفت اقلیم مل گئی ہو۔ اتنا تو وہ جان چکی تھیں کہ زینب نامی یہ لڑکی دلہن کی خاص سہیلی ہے۔ باقی کی معلومات وہ عظیم کے ذریعے لے لیں گی۔ انہوں نے دانستہ زینب سے بات نہیں کی کہ وہ دور سے ہی اس کے چہرے پر چھائی بیزاری ملاحظہ کر چکی تھیں۔ اس لیے باقی کی کاروائی بعد کیلئے اٹھا رکھنے پر وہ مطمئن سی تقریب میں مگن ہو گئیں۔

گھر پہنچتے ہی انہوں نے عظیم سے بھی اس کا ذکر کیا تو وہ بھی کھلکھلا اٹھے۔ اگلے دن فوری طور پر نمرہ کے گھر والوں سے زینب کے بارے میں تمام معلومات لے کر وہ بھی مطمئن ہو گئے۔ پھر ابراہیم سے بھی اس سلسلے میں بات کر ڈالی کہ آخر رضامندی تو اسی کی درکار تھی۔ جس پر اس نے ان کو اپنی شرائط کے متعلق دوبارہ یاد دہانی کروانا ضروری سمجھا۔ تو انہوں نے بھی یہ کہہ کر تسلی دی کہ :

"لڑکی ہو بہو ویسی ہی ہے جیسی تم چاہتے ہو۔ اگر تم چاہو تو کل ہمارے ساتھ جا کر ایک بار اس لڑکی کو اپنے روبرو دیکھ لو۔ تمہاری تسلی ہو جائے گی۔" ان کے کہنے پر اس نے سب ان پر ہی چھوڑ دیا۔ جس پر عظیم نے سکون بھری سانس خارج کی۔ بالآخر وہ اس فرض سے آزاد ہونے جا رہے تھے۔

چند دنوں بعد ہی زینب کیلئے ابراہیم کا رشتہ آ گیا جو زینب کے بنائے گئے افسانوی معیار پر پورا اترتا تھا۔ پہلے پہل تو اسے یقین ہی نہ آیا۔ دور اندر اس کے دل میں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر ایسا شخص نہ ملا تو وہ کیا کرے گی۔ مگر اب تو وہ قدرت کی اس مہربانی کی معترف ہو چکی تھی۔ اور ہوتی بھی کیوں نا؟ آخر چونتیس سالہ ابراہیم ایک وجیہہ مرد تھا۔ اس کے والدین کا کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس کے دونوں بڑے بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ علیحدہ گھروں میں سکونت پذیر تھے۔ ابراہیم ایک اسسٹنٹ کمشنر تھا اور آج کل وہ بہاولپور میں گورنمنٹ کی جانب سے دیے گئے گھر میں رہائش پذیر تھا۔ اور کوئی لمبا چوڑا خاندان بھی نہیں تھا۔

زینب کا چہرہ اس کی دلی رضامندی کی گواہ دے رہا تھا۔ اس لیے تھوڑی بہت چھان پھٹک کے بعد زینب کے گھر والوں نے بلا تعمل اپنی رضامندی دے دی۔ ان کی جانب سے رضامندی ملتے ہی چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق تمام معاملات طے پاتے چلے گئے۔ من چاہا ہمسفر مل جانے پر زینب کے قدم زمین پر ٹِک ہی نہ رہے تھے۔

زینب نے اپنی دوستوں کو بتایا تو سب نے حیران ہونے کے ساتھ مبارکباد دی۔ نمرہ کو تو اپنی شادی پر ہی اندازہ ہو چکا تھا جب عثمان نے زینب کے حوالے سے پوچھا تھا اور ابراہیم کے رشتے کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو زینب۔ یقین جانو اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ میری شادی میں تمہیں تمہارے خوابوں کا شہزادہ مل جائے گا تو بہت پہلے ہی شادی کر چکی ہوتی۔" نمرہ کے بے پر کی ہانکنے پر زینب نے ایک دھپ اس کے کندھے پر رسید کی۔

" اچھا چھوڑو سب۔ یہ بتاؤ کہ ابراہیم بھائی سے بات ہوئی؟ کیا وہ بالکل تمہارے افسانوی ہیروز جیسے ہیں؟ کچھ بتاؤ تو سہی ان کے بارے میں؟" ہانیہ کے پوچھنے پر اس کے چہرے پر شرم وحیا کے پھول کھلنے لگے۔

"سچ بتاؤں تو ہاں وہ شخص واقعی میرے خوابوں کے شہزادے جیسا ہے۔ اور میں نے صرف تصویر ہی دیکھی ہے۔ ہماری اب تک کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ حالانکہ پاپا نے کہا بھی تھا کہ اگر میں چاہوں تو ان سے مل بھی سکتی ہوں تاکہ تسلی ہو جائے۔ مگر میں نے منع کر دیا۔ اور دوسری جانب سے بھی ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔" زینب نے تفصیلاً بتایا۔

"اوہ۔ سوسیڈ۔ مگر کوئی نہیں۔ تم نے جیسا چاہا تمہیں مل گیا۔ اب تم ایک ہی دفعہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر دلہے راجہ کو گھائل کرنا۔" نمرہ نے اسے چھیڑا تو وہ گلنار ہو گئی۔

اس کے بعد تینوں ہنسی مذاق میں مشغول ہو گئیں۔ آج مریم کسی ضروری کام کیلئے شہر سے باہر تھی۔ اس لیے ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکی۔ اس نے فون پر ہی زینب کو مبارک باد اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے برات کا دن بھی آ پہنچا۔ تمام انتظامات بہت شاندار کیے گئے تھے۔ زینب پر دلہناپے کا روپ بھی ٹوٹ کر آیا تھا۔ تمام دوستیں اور کزنز اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں اور وہ اپنی تعریفوں پر ملکہ تفاخر بنی گردن اکڑائے بیٹھی تھی۔

ایجاب و قبول کے مرحلے کے بعد وہ اپنی دوستوں کی کسی بات پر کھکھلا رہی تھی کہ ابراہیم کی دونوں بڑی بھابھیاں ماریہ اور حائقہ اس سے ملنے کیلئے برائڈل روم میں چلی آئیں۔ زینب کی امی کلثوم بیگم بھی وہیں پر تھیں جب دلہے کی جانب سے کیے گئے مطالبے پر سب کی سب دنگ رہ گئیں۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے۔ مگر ایک ہی ایک تو دن ہوتا ہے شادی کا۔ ایسے میں یہ سب۔۔۔" کلثوم بیگم نے بات کرنے کی کوشش کی۔

"آنٹی۔ یہ ہماری نہیں ابراہیم کی خواہش ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے علاوہ کوئی اس کی بیوی کو اس روپ میں دیکھے۔ اس لیے آپ کے پاس ہماری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔" ماریہ بھابھی کے دوٹوک انداز پر وہ چپ رہ گئیں کہ بیٹی کے سسرال کا معاملہ تھا۔ اس لیے اب وہ زینب کو قائل کرنے لگیں۔

"مگر امی یہ کتنا عجیب لگے گا۔ میں نہیں لے رہی یہ تنبو۔" کلثوم بیگم کے بتانے پر اس نے بھرپور احتجاج کیا۔

"چپ کرو۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ تمہارے سسرال والے یہیں پر موجود ہیں۔" کلثوم بیگم کے گھرکنے پر وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ پھر کافی پس و پیش کے بعد دل پر پتھر رکھے وہ راضی ہو ہی گئی کہ اب کیا کیا جا سکتا تھا۔

بالآخر ایک قدرے بڑی سرخ اور کامدار چادر کا گھونگھٹ کیے زینب اپنی دوستوں اور کزنز کی ہمراہی میں سہج سہج کر قدم اٹھاتی سٹیج کی جانب بڑھی۔ اس کے بیٹھتے ہی چند رسومات کے بعد رخصتی کا شور اٹھا تو یکدم فضا بوجھل ہو گئی۔ زینب سب سے گلے ملتے جی بھر کر روئی۔ پھر ماں باپ کی دعاؤں کے سائے تلے ابراہیم کے سنگ پیا دیس سدھار گئی۔

زینب حجلہ عروسی میں بیٹھی ابراہیم کا انتظار کر رہی تھی۔ جو آہی نہیں دے رہا تھا۔ گھونگھٹ اتار کر اب ایک طرف رکھ دیا گیا تھا۔

دوران تقریب وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بیٹھی رہی کہ اس کی کزنز نے دل جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جس پر اسے مزید رونا آیا تھا۔ ابھی وہ مزید سوچتی کہ کھٹکے کی آواز نے اسے لامتناہی سوچوں کے چنگل سے حقیقت میں لا پٹخا۔

کمرے میں آتے ہی ابراھیم نے پہلی فرصت میں خود کو شیروانی سے آزاد کروایا اور زینب کے قریب ہی ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ جس پر زینب شرم وحیاء سے اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔ اس نے سلامتی بھیجنے کے بعد اسے منہ دکھائی کا تحفہ دیا۔

"یہ کنگن میرے لیے بہت خاص اور قیمتی ہیں۔ کیونکہ امی جان ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ یہ کنگن وہ اپنے ابراہیم کی دلہن کو پہنائیں گی۔ مگر قسمت کی ستم ظریفی کہ انہیں مہلت ہی نہ ملی۔ اس لیے میں نے تبھی سوچ لیا تھا کہ اپنی بیوی کو منہ دکھائی میں یہی کنگن دوں گا۔ کیا تمہیں پسند آئے؟" ابراہیم نے زینب کے ہاتھوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے اس سے تائید چاہی۔

"ہمم۔ اچھے ہیں۔" زینب تائید کرنے کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی۔

کنگن دیکھ کر اسے اچھا خاصا جھٹکا لگا۔ وہ تو منہ دکھائی میں ایک عدد ہیرے کی انگوٹھی کا سوچے ہوئے تھی۔ مگر یہاں تو اس کے ارمانوں کا دوسری بار بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ جبکہ پہلا قتل تو گھونگھٹ پہنا کر کیا گیا تھا۔ جانے ابھی کتنے قتل ہونے باقی تھے۔

ابراہیم نے جس روپ کو گھونگھٹ کی آڑ میں چھپا دیا تھا۔ اب خلوت میسر آنے کے باوجود اس کی تعریف میں ایک لفظ نہ کہا۔ کہا بھی تو فقط اتنا کہ :

"تم کپڑے تبدیل کر لو اور سکون سے سو جاؤ۔ یقیناً تھک گئی ہو گی۔" اپنی بات ختم کر کے وہ اٹھنے لگا تو زینب کو ہنوز اپنی جانب منتظر نگاہوں سے تکتے پایا۔

"کیا ہوا؟ کچھ چاہیئے ؟" اس نے پوچھا۔

"آپ نے میری تعریف تو کی نہیں؟ بتائیں تو میں کیسی لگ رہی ہوں؟" بالآخر اس نے لب کشائی کرنے کی ہمت کر ہی ڈالی۔

"تعریف تو خالص پن کی جاتی ہے۔ میک اپ کی دبیز تہہ میں چھپے چہرے کو میں کیا ہی سراہوں۔ جایئے منہ دھو کر آیئے۔ پھر ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔" اس کا سنجیدگی سے بھرپور لہجہ اسے سراسر اپنی توہین کرتا محسوس ہوا۔

"اگر ایسی ہی بات تھی۔ تو گھونگھٹ کرنے کا فرمان کیوں جاری کیا؟" اب کی بار اس نے بھی اپنی زبان کے جوہر دکھانا لازم سمجھا۔

"زبان درازی کرنے والی عورتیں مجھے سخت زہر لگتی ہیں۔ آئندہ میرے آگے بولنے سے پہلے اپنی حیثیت یاد رکھنا۔" اس نے سختی سے خبردار کیا۔ اور تن فن کرتے ہوئے بیت الخلاء کا دروازہ زور سے بند کیا۔ زوردار آواز پر زینب اچھل پڑی۔

اپنی ایسی بے وقعتی پر اس کا دل چاہا کہ وہ جی بھر کر روئے۔ ابھی تو یہ آغاز تھا۔ جانے آگے جا کر اور کیا کیا دیکھنا باقی تھا۔ مگر وہ اچھی بیوی بن کر بہت جلد ابراہیم کا دل جیت لے گی۔ خود کو تسلی دیتی وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

اگلے دن کا سورج ولیمے کے ہنگاموں کے ساتھ طلوع ہوا۔ ولیمے کی تقریب کا بھی شاندار انتظام کیا گیا تھا۔ زینب کی جانب سے مدعو مہمان ہر بات کو سراہتے نہ تھک رہے تھے۔

زینب نفاست سے کیے گئے میک اپ کے ساتھ ہلکے جامنی رنگ کی کامدار میکسی زیب تن کیے ہوئے تھی۔ اور اس نے کل کی نسبت آج ہلکے کام والے جالی دار دوپٹے کا گھونگھٹ اوڑھ رکھا تھا۔ جبکہ

ابراہیم نے ہلکے سرمئی رنگ کے پینٹ کوٹ کے ساتھ سفید شرٹ پر جامنی ٹائی لگائی ہوئی تھی۔

دونوں ساتھ کھڑے بہت خوبصورت اور مکمل لگ رہے تھے۔

تقریب کے اختتام پر جب زینب کے گھر والوں نے اسے مکلاوے کی رسم کیلیئے ساتھ لے جانا چاہا تو ابراہیم نے سہولت سے انکار کر دیا۔ زینب نے قائل کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔

"ایسی فضول اور وقت کا ضیاع کرنے والی رسومات کو نہ تو میں مانتا ہوں اور نہ ہی ان کی پذیرائی کرتا ہوں۔" اس کے دوٹوک انداز پر چپ ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ کل رات کے بعد وہ مزید کچھ کہنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اور وہ اتنی بے وقوف تو ہرگز نہ تھی کہ شادی کے دوسرے ہی دن وہ معاملات بگاڑ کر بیٹھ جاتی۔

گھر واپسی تک وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے غصے سے اپنا پرس بستر پر اچھال کر پھینک دیا۔ جو ابراہیم کی نظروں سے مخفی نہ رہا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟ مجھے ایسا رویہ بالکل بھی پسند نہیں۔ اور کمرے میں پھیلاوا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔" ابراہیم کی سرزنش پر وہ معذرت کر کے اپنی چیزیں سمیٹنے میں لگ گئی۔ کیونکہ ابراہیم نے اس کو بتا دیا تھا کہ وہ دونوں صبح بہاولپور کیلیئے نکل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا بحث کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اگلی صبح وہ دونوں بہاولپور کیلیئے روانہ ہو گئے۔ ابراہیم کے دونوں بھائی اور بھابھیاں رات میں ہی اپنے اپنے آشیانوں کو واپس لوٹ گئے تھے۔ اور اب سارا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ زینب کو اس بات پر اعتراض تھا کہ اسے ماں باپ سے ملوائے بغیر وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جارہا تھا۔ مگر یہاں پرواہ کسے تھی۔

بالآخر خاصے تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ دونوں دوپہر میں اپنی منزل کو پہنچ ہی گئے۔ زینب پورے سفر کے دوران سوتی رہی تھی۔

گاڑی سے اترنے کے بعد سازوسامان ملازمین کے حوالے کر کے وہ دونوں گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے۔ بلاشک وشبہ گھر بہت شاندار تھا۔ مگر زینب اس قدر تھکاوٹ کا شکار تھی کہ کمرے میں آتے ہی اپنا آپ نیند کے حوالے کر دیا۔ اور ابراہیم ایک ضروری کام کا کہہ کر گھر سے باہر چلا گیا۔ یوں لگتا تھا کہ ڈرائیونگ ابراہیم نے نہیں بلکہ زینب نے کی تھی۔

زینب کی آنکھ مغرب کی اذانوں کے بعد ابراہیم کے جگانے پر کھلی جو اسے کھانا کھانے کیلیئے بلا رہا تھا۔ کسلمندی سے اٹھ کر تازہ دم ہونے کیلیئے اس نے بیت الخلاء کا رخ کیا۔ نہانے کے بعد وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ کھانے کی میز پر دال چاول، روٹی، شامی کباب اور رائتہ دیکھ کر زینب کی

آنکھیں ہی باہر نکل آئیں۔ وہ تو کوئی چٹ پٹے کھانوں کا سوچ ہوئے تھی۔ نئ نویلی دلہن کے ساتھ تیسرے ہی دن ایسی خاطر تواضع اس نے کب سوچی تھی۔ خیر بھوک تو مٹانی ہی تھی چاہے دال روٹی سے سہی۔ کھانے سے فراغت کے بعد ابراہیم نے اسے مخاطب کیا :

"آج کا کھانا باورچی نے بنایا تھا۔ پہلے تو مجبوری تھی اب جب تم آگئ ہو تو کل سے ناشتہ، دوپہر اور رات کا کھانا بنانے کی ذمہ داری تمہاری ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے تمام چھوٹے موٹے امور کا خیال بھی تمہیں ہی رکھنا ہے۔ ان تمام کاموں میں تمہاری جانب سے کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں ہو گی۔ یہ پہلی اور آخری دفعہ میں تمہیں بتارہاہوں۔ امید ہے کہ مجھے اپنی بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" نیپکن سے اپنے ہاتھ اور منہ صاف کر کے وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے؟ مگر میری میٹھا پکائی کی رسم ہی نہیں ہوئی ابھی۔ تو میں کیسے۔۔۔" اپنے تیئں زینب نے اسے باور کروانا چاہا کہ ابھی تو وہ نئ نئ دلہن ہے۔

"کیا کہا؟ کیا نہیں ہوا؟" ابراہیم نے ناسمجھی سے پوچھا۔

" میٹھا پکائی کی رسم۔ یعنی نئ دلہنوں کو کچن وغیرہ کی ذمہ داری سونپنے سے پہلے ان سے کوئی میٹھا پکوایا جاتا ہے۔" اس نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"ہمم۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ ایک فضول سی رسم کے سوا کچھ نہیں۔ اور دوسری بات کہ ایسے کھڑاک وہاں پالے جاتے ہیں جن کے لمبے چوڑے سسرالی رشتے موجود ہوں۔ خیر سے تمہیں نہ تو ساس سسر کی جھنجھٹ ہے اور نہ ہی دیورانی جیٹھانی والے مسئلے ہیں۔ رہی بات میٹھے میں ہاتھ ڈالنے کی تو یہ لو۔ ہو گئی تمہاری بھی رسم۔ اب تو کوئی مسئلہ نہیں نا۔" ابراہیم نے کہتے ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑا اور میز پر موجود شکردان میں ڈال دیا۔

اس کے بعد وہ کرسی دھکیل کر اٹھا اور اسے چائے بنانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پیچھے زینب دم سادھے بیٹھی رہ گئی۔ کتنے لمحے بے یقینی میں گزر گئے کہ آیا ابراہیم نے جو حرکت اس کے ساتھ کی ہے۔ وہ سچ ہے یا محض ایک خواب؟ کیا ایسی ہوتی ہیں شادیاں؟

آج تیسرا دن تھا اور ابراہیم نے اسے کوئی بھی بات کرنے کا بالکل موقع نہیں دیا تھا۔ اپنی تمام پسند ناپسند کے بارے میں آگاہ کر کے زینب کے بارے میں کسی ایک بات کو جاننا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔

پتا نہیں وہ کون سی لڑکیاں ہوتی ہیں جن کے سُسرال میں نخرے اٹھائے جاتے ہیں۔ خیر اس کے سُسرال میں ہے ہی کون سوائے ایک عدد شوہر کے۔ ٹھیک ہی کہا تھا کسی نے کہ اکیلا شوہر ہی ایک ساس اور نند کے برابر ہوتا ہے۔

ابھی تو اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری تھی کہ اسے باورچی خانے کا راستہ دکھا دیا گیا تھا۔ اسے کھانا بنانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ اسے شروع سے ہی نت نئے پکوان پکانے کا بہت شوق تھا۔ مگر باقی شادی شدہ لڑکیوں کی طرح اس کے بھی بہت سے ارمان تھے۔ جو آہستہ آہستہ پانی میں بہہ رہے تھے۔ کہیں یہ پانی سیلاب ہی نہ لے آئے۔

خیر اب کیا سوچنا۔ ویسے بھی "مرد کے دل کا راستہ اس کے معدے سے ہو کر جاتا ہے۔" تمام منفی سوچوں کو جھٹک کر اس نے بھی اپنے دل کو تسلی دی اور چائے بنانے کیلیئے باورچی خانے کا رخ کیا تاکہ اچھی سی چائے بنا کر وہ ابراہیم سے داد وصول کر سکے۔

ابراہیم کے چائے پینے تک وہ تعریف کے دو بولوں کیلیئے منتظر ہی رہی۔ مگر وہاں جامد خاموشی تھی۔

"کیسی بنی ہے چائے؟" ابراہیم کو ہنوز لب سیے دیکھ کر مجبوراً اس نے اپنے منہ پر لگا قفل توڑا۔

مگر اسے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو فقط اتنا کہ "بس گزارے لائق بنی تھی۔ آئندہ چینی کم اور پتی تھوڑی زیادہ ڈالنا۔" اور وہ صرف دل مسوس کر رہ گئی۔

آہستہ آہستہ معمولاتِ زندگی اپنی ڈگر پر چل رہے تھے۔ زینب روزانہ صبح سویرے اٹھتی اور ابراہیم کے ناشتے سے لے کر تیار ہونے تک تمام کاموں کا خیال رکھتی۔ اس کے دفتر جاتے ہی کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ دیگر امورِ خانہ دیکھتی۔

چونکہ ابراہیم دوپہر کو گھر میں کم ہی پایا جاتا تھا۔ اس لیے دوپہر کی بجائے وہ رات کے کھانے کا ہی اہتمام کرتی۔ صد شکر تھا کہ گھر کی صفائی ستھرائی کیلئے ملازمہ موجود تھی۔ وہ جو سوچتی تھی کہ ابراہیم اس کے بنائے کھانوں کی تعریف کرے گا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتا۔ اور جہاں نمک مرچ کی کمی بیشی محسوس ہوتی، فوراً باور کروادیتا کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔

ایک دن دفتر سے آکر ابراہیم نے زینب کو اپنے ایک دوست کی طرف سے دعوت پر مدعو کیے جانے کا بتا کر کل شام میں تیار رہنے کا کہا۔ زینب کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ ابراہیم شادی سے لے کر اب تک کہیں بھی اسے گھمانے کیلئے نہیں لے کر گیا تھا۔ اس لیے وہ بہت دل لگا کر تیار ہوئی۔ اس نے آدھی آستینوں والے سنہری بلاؤز کے ساتھ گاڑھے سبز رنگ کی سلک کی ساڑھی پہنی اور میک اپ کے ساتھ اپنے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا۔ بلاشک وشبہ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی شادی کے کپڑوں میں تین چار ساڑھیاں بنوائی تھیں تاکہ بعد میں ہونے والی دعوتوں میں پہنی

جاسکیں۔ مگر تب سے اب تک کوئی موقع ہی نہ ملا تھا۔ اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر اب وہ ابراہیم کا انتظار کرنے لگی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی جب ابراہیم کی نظر زینب کے سراپے پر پڑی تو ناگواری سے اس کے ماتھے پر بلوں کا اضافہ ہوا۔ کوئی اور ہوتا تو اس کے دلکش سراپے کو دیکھ کر اپنے ہوش گنوا بیٹھتا مگر مقابل ابراہیم تھا۔

"یہ کیسا بے ہودہ لباس زیب تن کر رکھا ہے تم نے؟ ابھی کے ابھی یہ لباس تبدیل کر کے آؤ۔" زینب جو اس کی جانب سے تعریف کی منتظر تھی، اس کی تیز آواز پر اچھل پڑی۔

"اس میں کیا خرابی ہے آخر؟ میں نے یہ کتنے چاؤ سے بنوایا تھا۔" وہ منمنائی۔

"خرابی؟ آئینے میں خود کو ایک نظر دیکھو اور بتاؤ کہ کیا یہ لباس غیر مردوں کا دل لُبھانے کا انتظام نہیں کر رہا؟ لباس وہ ہوتا ہے جس سے جسم کو چھپایا جائے۔ نا کہ یوں سرعام دکھایا جائے۔ ہمیں پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔ اس لیے بحث کی بجائے یہ لباس فوراً تبدیل کرو۔" اسے سنگھار میز کے سامنے کھڑا کرتے اس نے سختی سے استفسار کیا تو زینب کی آنکھوں سے اشک رواں ہونے لگے۔ ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنا لباس تبدیل کر کے ایک کامدار سوٹ پہن کر ابھی باہر نکلی ہی تھی کہ ایک اور حکم نامہ جاری ہوا:

"اپنے بال باندھ کر سر پر اچھے سے دوپٹا اوڑھو۔ اور یہ میک اپ بھی صاف کرو۔"لب سیے وہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگی۔ کیونکہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"ہمم۔ اب بہتر ہے۔ چلو۔"اس کی تیاری سے مطمئن ہوتے وہ باہر کی جانب بڑھا تو زینب نے بھی اس کی پیروی کی۔

دن یونہی بے کیف گزرتے رہے۔ اس کے بعد بھی ایک دوبار دونوں کسی نا کسی دعوت میں شرکت کرتے رہے۔ زینب اب کے محتاط ہی رہتی کہ ابراہیم کو شکایت کا کوئی موقع نہ ملے۔ مگر اس کے باوجود اس کی روک ٹوک ہنوز جاری تھی۔ ابراہیم کے دفتر روانہ ہونے کے بعد زینب پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔ اور اکثر اس اکتاہٹ سے چھٹکارا پانے کیلئے وہ اپنے گھر والوں اور دوستوں سے فون پر بات چیت کر کے اپنا دل بہلا لیا کرتی۔

ماں باپ کے حال احوال پوچھنے پر وہ انہیں"سب ٹھیک ہے۔"

"میں خوش ہوں۔"

"ابراہیم بہت اچھے ہیں۔"

جیسے جملے کہہ کر مطمئن کر دیتی۔ اپنی دانستگی میں وہ پوری مشرقی لڑکی بنی ہوئی تھی جو سسرال میں ہونے والی اونچ نیچ سے گھر والوں کو بے خبر رکھتی ہے۔ دوسرا اس کے ذہن پر افسانے سوار تھے جس میں شروع شروع میں شوہر بیویوں سے اکھڑے رہتے ہیں اور بعد میں دونوں میں اظہار محبت کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وہ بھی اسی دن کی منتظر تھی۔

اس لیے زینب کے گھر والے بھی ہمارے معاشرے کے پچانوے فیصد والدین کی طرح مطمئن ہو جاتے کہ خود سے کوسوں دور انجان شہر میں رہنے والی بیٹی کی خبر لینا ایک مشکل امر ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔ دوسرا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی مداخلت سے زینب کی شادی شدہ زندگی پر کوئی اثر پڑے۔ ان کی نظر میں وہ اپنے گھر میں خوش باش تھی تو انہیں اور کیا چاہئے تھا۔

اور یہیں پر والدین غلطی کرتے ہیں۔ شادی شدہ بیٹیوں کے معاملے میں ایسی چشم پوشی سے کام لینا نری حماقت ہے۔ ٹھیک ہے آپ بیٹیوں کے سسرال میں بے جا مداخلت نہ کریں۔ اور نہ ہی بیٹیوں کی غلطی پر اس کی پشت پناہی کریں۔ مگر ان کی خبر گیری ضرور کرتے رہیں۔ وہاں زیادہ نہیں تو ایک آدھ بار چکر ضرور لگائیں۔ تاکہ سسرال والے بھی کوئی زیادتی کرنے سے پہلے یہ نہ سوچیں کہ اس کے گھر والوں کو کیا پتا چلے گا ہم جو بھی کریں۔ ورنہ ہمارے معاشرے میں زہرہ قت ٭ ل کیس آئے روز دیکھنے سننے کو ملتے ہیں۔

ڈرائنگ روم میں صوفے پر ٹانگیں پھیلائے وہ اپنے ارد گرد سے بے بہرہ کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ اور دوپٹہ لاپرواہی سے شانے پہ جھول رہا تھا۔ جبکہ اس کی قمیض کا کندھا ایک طرف سے سرک کر اس کے کندھے کو عیاں کر رہا تھا۔ اس وقت کرنے کو کوئی بھی خاص کام نہیں تھا۔ اور ابراہیم بھی گھر پر نہیں تھا۔ تو وہ مزے سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ ورنہ ابراہیم کی موجودگی میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک منٹ کیلئے بھی کچھ اور کر سکے۔

اسی اثناء میں ابراہیم اپنے کسی کولیگ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ جانے اس کے ذہن میں کیا سمائی کہ کولیگ کو دروازے میں روک کر وہ پہلے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا۔ اور سامنے نظر پڑنے پر اشتعال کی ایک لہر نے اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جبکہ وہ ہنوز اپنے مشغلے میں مگن تھی۔

ابراہیم کے گلا کھنکارنے پر وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔ اور رسالہ بھی ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر جا گرا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے بیٹھنے کا؟ ساری تمیز و تہذیب کیا گھر پر چھوڑ آئی تھی تم؟" وہ دبے دبے لہجے میں غرایا۔ جبکہ زینب کے اوسان خطا ہو گئے۔

"اور تمہارا دوپٹہ کہاں ہے؟" اب کے اس کا دھیان دوپٹے کی جانب گیا جو جانے کب کا زمین بوس ہو چکا تھا۔

"سس... سوری۔" اس نے بوکھلا کر دوپٹہ نیچے سے اٹھا کر اپنے اوپر اوڑھایا۔ اور رسالہ بھی اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ جس سے ابراہیم کے اشتعال میں مزید اضافہ ہوا۔ مگر ضبط کر گیا۔

"باہر میرا ایک کولیگ آیا ہے۔ کچھ دیر ہم دونوں یہیں بیٹھیں گے۔ ایک اہم کیس ڈسکس کرنا ہے۔ اس لیے اپنے کمرے میں جاؤ۔ اور باہر مت نکلنا۔ مجھے جو بھی بنانا ہو گا میں خود بنالوں گا۔" اسے خبر دار کرتا باہر کی جانب چل دیا۔ زینب بھی سست روی سے اس کے پیچھے چل دی۔

رات میں ابراہیم بستر پر نیم دراز کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔ اور وقفے وقفے سے چائے کے لمبے لمبے گھونٹ بھی بھر رہا تھا۔ جبکہ زینب کے سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے بالوں سے نبرد آزما ہو رہی تھی۔ چہرے پہ اکتاہٹ صاف ظاہر تھی۔ اچانک اسے کوئی خیال آیا تو ابراہیم کو مخاطب کر لیا۔

"سنیں۔ کیا کل آپ فری ہوں گے؟" وہ دانستہ ابراہیم کا نام لینے سے گریز کرتی تھی کہ کہیں وہ برا ہی نہ مان جائے۔

"ہاں۔ تو؟" اس نے کتاب پر نظریں جمائے بتایا۔

"تو ٹھیک ہے۔ کل مجھے سیلون لے جایئے گا۔" اس نے بالوں میں کنگھا پھیرتے ہوئے کہا۔

"سیلون کیوں جانا ہے؟" اس نے کتاب بند کر کے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سیلون کیوں جاتے ہیں بھئی؟ ظاہر ہے میں نے بال کٹوانے ہیں تو وہیں جاؤں گی نا۔" اپنے دھیان میں اس نے ہنس کر جواب دیا۔

"اور کس خوشی میں بال کٹوانے ہیں؟" اس نے اپنی آنکھیں سکیڑیں۔

" مجھے لمبے بال بالکل پسند نہیں ہیں۔ یہ تو شادی کی وجہ سے بڑھائے تھے۔ یہی سوچا تھا کہ بعد میں کوئی اچھے سے سٹائل میں کٹواؤں گی۔" اس نے وضاحت دی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بال کٹوانے کی۔" اس نے ہنوز سنجیدہ انداز اپنائے رکھا۔

" مگر۔۔۔" اس نے کہنا چاہا۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔ جب کہہ دیا نہیں تو نہیں۔ بات ختم۔ بتی بجھا دو۔ مجھے سونا ہے۔" اس نے سختی سے ٹوک کر کروٹ بدلی۔

ایک بار پھر زینب اس کے انداز پر اپنی جگہ سن سی رہ گئی۔ جہاں وہ ملول سی ہوئی۔ وہیں اس کے دل میں اس خوش گمانی نے بھی جنم لیا کہ ابراہیم کو اس کے لمبے بال پسند ہیں۔ کیا چلا جاتا اگر سیدھا سیدھا کہہ دیتے کہ :

"مجھے تمہارے لمبے بال پسند ہیں۔ اس لیے انہیں مت کٹواؤ۔" مگر ہائے رے قسمت۔ اک سرد سی آہ اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔

تمام سوچوں کو جھٹکتی وہ بالوں کو سمیٹ کر اٹھی اور بتیاں بجھا کر بستر کی دوسری جانب دراز ہو گئی۔

ابراہیم اس کیلیئے ایک ایسی کتاب تھا جس کی زبان سے وہ ناواقف تھی۔ جانے کب وہ اس کتاب کو پڑھنے میں کامیاب ہو گی۔ یا ساری زندگی یونہی گزرتی چلے جائے گی۔

اسی ادھیڑ بن میں ان کی شادی کو ایک ماہ ہونے والا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی ایک ماہ کی شادی کی سالگرہ منانے کا پلان بنایا تاکہ ابراہیم کے ساتھ کچھ وقت بِتا سکے۔ اور شاید اس سے ان کی ازدواجی زندگی پر کچھ مثبت اثرات بھی مرتب ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اس نے بازار جا کر اپنی ضرورت کی تمام چیزیں خریدیں۔ پھر گھر میں لذیذ قسم کے پکوان پکانے کے بعد خود تیار ہونے چل دی۔ وہ تیار ہو کر تمام انتظامات کا تنقیدی جائزہ لے کر ابراہیم کا انتظار کرنے لگی۔

جب ابراہیم گھر میں داخل ہوا تو اسے غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی زینب کی غیر موجودگی نے اسے حیرت میں مبتلا کیا۔ آج سے پہلے تو وہ لاؤنج میں ہی پائی جاتی تھی۔

زینب کو پکارتے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اندھیرے اور گلاب کی پتیوں کی بھینی بھینی مہک نے استقبال کیا۔ ابھی وہ بتی جلانے کیلیئے مُڑ ہی رہا تھا کہ کمرے میں مدھم روشنیاں جل اٹھیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ پورا کمرہ گلاب کی پتیوں اور برقی قمقموں سے سجا ہوا تھا۔ کمرے کے وسط میں موجود چھوٹی سی میز پر ایک چاکلیٹ کیک رکھا تھا، جس پر "ہیپی ون منتھ اینیورسری" لکھا تھا۔

"کیسا لگا سرپرائز؟" زینب کی کھلکھلاتی آواز پر وہ پیچھے مڑا تو اسے ساڑھی میں دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی۔

"تم نے پھر سے یہ بے ہودہ لباس پہن لیا ہے؟" ابراہیم نے اس سے سختی سے استفسار کیا۔ کمرے کا خوابناک ماحول بھی ابراہیم پر کوئی خوشگوار اثرات مرتب نہ کر سکا۔

"وہ تو آپ نے سب کے سامنے پہننے سے منع کیا تھا نا۔ آپ کے لیے تو پہن ہی سکتی ہوں۔" زینب کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا۔

"مجھے یہ لباس ہی نہیں پسند۔ اور یہ سب سامان کہاں سے آیا؟" اس کے سختی سے پوچھنے پر اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"وہ۔۔۔ وہ میں خود ہی کیب کروا کر بازار گئی تھی۔" وہ کپکپائی۔

"کس کی اجازت سے تم نے گھر سے باہر قدم نکالا؟" ابراہیم کے ہاتھ کا تھپڑ کھاتے ہی وہ لہرا کر پیچھے موجود بیڈ پر اوندھے منہ جا گری۔

"بولو۔ جواب دو۔ اگر تم کہیں مر وَر جاتی تو میں کس کس کو جواب دیتا پھرتا۔ زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے میری۔ تم سے شادی کرنا میری زندگی کا سب سے بُرا فیصلہ تھا۔ یہ تمہاری آخری غلطی تھی۔ اس کے بعد کچھ ایسا ویسا کیا تو مجھ سے بھلائی کی امید مت رکھنا۔" اس کے گداز بازو کو اپنی آہنی گرفت میں لیے وہ غرایا۔

"بند کرو یہ رونا اور دھونا۔ اور اٹھ کر سب کچرا سمیٹو۔ مجھے دس منٹ کے اندر اندر یہ کمرہ صاف چاہئے۔" اس کی سسکیوں کو نظر انداز کر کے وہ بیت الخلاء میں چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی زینب سسکتے ہوئے اٹھی اور تمام کمرہ سمیٹ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ دروازہ مقفل کرتے ہی وہ اپنی تذلیل پر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس کے گھر والوں نے کتنے ناز و نم سے اسے پالا تھا۔ ہاتھ لگانا تو دور کی بات آج تک اس سے کسی نے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی تھی۔ اور آج اس کے شوہر نے اس پر ہاتھ ہی اٹھا دیا۔

اس نے کتنی کوشش کی تھی کہ ابراہیم کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک ہو سکے۔ مگر اس کی تمام محنت اکارت گئی تھی۔ وہ تو شاید پتھر کا بت تھا جس میں احساس نامی کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ اس لیے اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ اب سے وہ اسے نظر انداز کرے گی اور اس کے حال پر چھوڑ دے گی۔ روتے روتے جانے کب اس کی آنکھ لگی پتا نہ چلا۔

دوسری طرف ابراہیم کپڑے تبدیل کر کے بیت الخلاء سے نکلا تو کمرہ صاف کیا جا چکا تھا۔ اس وقت وہ زینب کو اپنے آس پاس بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

اس کے ذہن میں آج دوپہر میں موصول ہونے والی کال کی بازگشت گردش کرنے لگی۔

آج کل وہ جس اہم کیس پر کام کر رہا تھا، وہ علاقے کے کسی سیاسی راہنما کے خلاف درج ہوا تھا۔ جس نے مزارعوں کی زمین پر ناجائز قبضہ جما رکھا تھا۔ اور ابراہیم کی پوری کوشش تھی کہ وہ زمین حقداروں کو واپس کر دی جائے۔ جس پر وہ سیاسی راہنما کسی طور پر راضی نہ تھا۔ الٹا وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ مگر ابراہیم بھی ان سب کا دیدہ دلیری سے مقابلہ کر رہا تھا۔

وہ اپنے کام میں بری طرح منہمک تھا کہ اس کے موبائل پر کسی نامعلوم نمبر سے کال موصول ہونے لگی۔

"کیسے ہیں اے سی صاحب؟" اجنبی لہجے پر اس کا ماتھا شکن آلود ہوا۔

" کون بات کر رہا؟" اس نے فائل پر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے اتنی بھی جلدی ہے جاننے کی؟ پہلے میری بات سن لو۔ پھر سب جان جاؤ گے۔" دوسری جانب سے شیطانی قہقہہ لگایا گیا۔

"میرے پاس تمہاری فالتو بکواس سننے کا بالکل بھی وقت نہیں ہے۔" ابراہیم کال کاٹنے ہی لگا تھا کہ مقابل نے روک دیا۔

"ارے ارے کال کاٹنے سے پہلے کام کی بات تو سن لو۔" مقابل کی مکاری اپنے عروج پر تھی۔ ابراہیم نے بیزاری سے بات سنی۔

" سنا ہے تمہاری بیوی بہت خوبصورت ہے؟ بلکہ میں نے تو دیکھ بھی لی۔ کیا غضب ڈھا رہی تھی یارر۔ میرا تو دل ہی آگیا اس پر۔ کہاں چھپا رکھا تھا یہ گوہر نایاب۔" اس کے گھٹیا انداز پر ابراہیم کا خون کھول اٹھا۔

" بکواس بند کرو اپنی گھٹیا آدمی۔" اس نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔

"تم تو غصہ ہی ہو گئے۔ کول ڈاؤن یارر۔ چلو ہم ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔ میں اس زمین سے دستبردار ہو جاتا ہوں اور بدلے میں تم مجھے۔۔۔" مقابل کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ ابراہیم دھاڑا۔

"کمینے۔ حر***۔ اگر تم مرد ہو تو میرے سامنے آ کر بات کرو۔ پیٹھ پیچھے بات کرنے والے نامرد کہیں کے۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ ڈیل کسے کہتے ہیں باس**ڈ۔" ابراہیم نے کف اڑاتے اسے القابات سے نوازا۔ مقابل نے فوراً کال منقطع کی کہ کہیں وہ فون سے نکل کر اسے مار ہی نہ ڈالے۔

کتنے ہی پل اسے اپنا اشتعال دبانے میں لگے۔ اس کے بعد اس نے موبائل اٹھایا اور زینب کا نمبر ملایا۔ مگر اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔ جب دو سے تین بار کے بعد بھی جواب موصول نہ ہوا تو اس نے چوکیدار کا نمبر ملایا جو فوری طور پر اٹھا لیا گیا۔

"سلام صاب جی۔" چوکیدار نے فون اٹھاتے ہی سلامتی بھیجی۔

"وعلیکم السلام۔ تمہاری بیگم صاحبہ کہاں ہیں اس وقت؟" اس نے پوچھا۔

"بیگم صابہ تو ابھی ابھی باہر سے آئی ہیں۔ شاید کچھ سامان لانا تھا۔" اس نے آگاہ کیا۔

"ہمم۔ ٹھیک ہے۔ تم پوری طرح خبردار رہنا۔ اور کوئی بھی غیر معمولی بات ہو تو مجھے مطلع ضرور کرنا۔ خدا حافظ۔" ابراہیم نے کہتے ہی رابطہ منقطع کر دیا۔

فون رکھتے ہی اس کے ماتھے پر لاتعداد بلوں کا اضافہ ہوا۔ زینب کی معمولی سی غلطی کتنی سنگین ثابت ہونے والی تھی جس کا اسے گمان بھی نہ تھا۔ اگر وہ باہر جا رہی تھی تو کم از کم اسے مطلع تو کر کے جاتی۔ تاکہ وہ کوئی حفاظتی اقدامات ہی کر دیتا۔ یوں تو اس نے خطرہ مول لے لیا تھا۔

شام تک وہ غصے سے کھولتا رہا۔ اور نتیجتاً زینب پر ہاتھ اٹھا بیٹھا۔ حالانکہ وہ ہرگز ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اور اسے ہمیشہ عورتوں پر ہاتھ اٹھانے والے مرد سخت زہر لگتے تھے جو کسی کمزور پر حاکمیت قائم کرنے کو اپنی مردانگی سمجھتے ہیں۔ اب جب خود سے یہ فعل سرزد ہوا تھا تو دل مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔

انہی سوچوں نے اس کو اس قدر اعصابی تھکن کا شکار کیا تھا کہ نیند اس پر حاوی ہوتی چلی گئی۔

اگلی صبح تیار ہو کر جب ابراہیم ناشتے کی میز پر پہنچا تو خالی میز اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی تیوریاں چڑھیں۔ دیر ہونے کے باعث وہ اس سے بازپرس کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے فی الحال دفتر روانہ ہو گیا۔

زینب کی آنکھ صبح دس بجے کے قریب کھلی۔ وہ تھکی تھکی سی اٹھی۔ ساری رات رونے کے باعث اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ وہ اب تک انہی کپڑوں میں ملبوس تھی اور میک اپ بھی خراب ہو چکا تھا۔ خود کو گھسیٹتے اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا تاکہ تازہ دم ہو سکے۔ نہانے کے بعد وہ بہت بہتر محسوس کر رہی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں گئی اور الماری سے اپنے کچھ کپڑے اور دیگر ضرورت کی چیزیں لے کر دوسرے کمرے میں رکھیں۔ فی الحال وہ ابراہیم کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مخاطب کرنا ترک کر دیا تھا۔ ناشتے سے لے کر کھانا تک دونوں اپنے لیے خود بناتے۔

کل رات سے ہی زینب کو اپنی طبیعت کچھ بوجھل سی محسوس ہو رہی تھی۔ اور بار بار قے آنے کے باعث وہ نڈھال ہو گئی تھی۔ اب کہ اس میں اتنی بھی ہمت نہ بچی تھی کہ اٹھ کر ایک گلاس پانی پی لیتی۔ بستر کی پائنتی سے ٹیک لگائے وہ اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو یاد کرتے سسکنے لگی۔ اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ کس سے اپنا دل کا بوجھ بانٹے۔ انہی سب میں اسے مریم بھی انتہاء یاد آئی۔ کاش وہ مریم کی باتوں کو سنجیدگی سے سوچتی تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

یکدم ہی اس کا جی بری طرح گھبرانے لگا۔ اپنی حالت سے گھبرا کر اس نے مریم کو کال ملائی۔

ابراہیم آج وقت سے ذرا پہلے گھر آ گیا تھا۔ جس کیس میں پچھلے کئی دنوں سے الجھا ہوا تھا، اب جا کر اس سے جان چھوٹی تھی تو اس نے زینب سے دو ٹوک بات کرنے کا ارادہ باندھا۔ تا کہ اس آئے روز کے کھانا بنانے کے مشغلے سے اس کی جان چھوٹے۔

دروازے کے دستے پر ابھی ہاتھ رکھا ہی تھا کہ زینب کی روتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی :

"مریم ! تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ افسانوی باتوں اور عملی زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دیر سے

سہی مگر مجھے سمجھ آچکی ہے۔" وہ اذیت سے مسکرائی۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو زینب؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟" مریم پریشان ہوئی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں مریم۔ مجھے بچالو۔ میں یوں بند کمرے میں اپنوں سے دور بالکل بھی نہیں مرنا چاہتی۔ مجھے آکر اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔" وہ التجائیہ ہوئی۔

"ہوا کیا ہے آخر؟ مجھے ساری بات بتاؤ۔" مریم کے پوچھنے پر اس نے شادی سے لے کر اب تک کی تمام باتیں اس کے گوش گزار کر دیں۔ تمام حقیقت جان کر مریم کو حقیقی معنوں میں دکھ ہوا۔

"مریم کچھ بھی کرو۔ مگر مجھے اس قید سے دور لے جاؤ۔ ورنہ۔۔۔" زینب ابھی بات کر رہی تھی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔ مریم ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی مگر بے سود۔

دوسری جانب دروازے کے اس پار کھڑا ابراہیم اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ زینب کی باتیں سن کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زینب کی اس سے شادی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔

اس کے اچانک خاموش ہونے پر اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر بستر پر سیدھی لیٹی زینب پر پڑی جس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ وہ فوراً سے بیشتر اس کی جانب لپکا۔ نبض اور سانسوں کو ٹٹولا تو وہ نہایت مدھم چل رہی تھیں اور بخار سے سارا جسم تپ رہا تھا۔ اسے اپنی بانہوں میں بھر کر وہ باہر کی جانب دوڑا۔

ہسپتال پہنچتے ہی اسے ایمرجنسی میں داخل کر دیا گیا۔ طویل انتظار کے بعد ڈاکٹر باہر آئیں۔

"مریضہ کے ساتھ کون ہیں؟ ذرا میرے کیبن میں تشریف لائیں۔" ڈاکٹر نے اسے مخاطب کیا۔

ابراہیم ان کو اپنا تعارف کرواتا ان کے پیچھے ہی کیبن میں داخل ہوا۔

"دیکھیے۔ مریضہ کی حالت بالکل اچھی نہیں ہے۔ لاپرواہی کی بھی حد ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں بخار کا ہونا ماں کے ساتھ ساتھ بچے کیلیئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے سرزنش کی۔

"ماں اور بچہ؟ آپ کا مطلب۔۔۔" ابراہیم نے ناسمجھی سے سوال کرنا چاہا۔

"کیا آپ کو نہیں پتا؟ وہ ماں بننے والی ہیں۔ اور بے ہوشی کی حالت میں مسلسل ایک ہی بات بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ "ماما بابا مجھے آکر واپس لے جائیں۔" ڈاکٹر نے اس کی موجودہ حالت سے آگاہ کیا۔

"معذرت ڈاکٹر صاحبہ۔ میں لاعلم تھا۔ اب کیسی ہے وہ؟ کیا میں مل سکتا ہوں اس سے؟" ابراہیم کو سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ اس خبر پر کیسا ردعمل دے۔

"فی الوقت میں نے ان کو سکون آور دوا دے دی ہے۔ کچھ ہی دیر میں انہیں ہوش آجائے گا۔ اور کوشش کیجیے گا کہ انہیں ہر قسم کی پریشانی سے دور رکھیں۔ یہ کچھ ادویات میں لکھ کر دے رہی ہوں۔ یہ بھی ان کو باقاعدگی سے کھلاتے رہیے گا۔" ڈاکٹر نے اس کو مزید ہدایات دیں۔

"بہت شکریہ آپ کا ڈاکٹر صاحبہ۔" ابراہیم ڈاکٹر کے کیبن سے نکل کر زینب کے کمرے میں آیا۔

جہاں وہ دوا کے زیر اثر سو رہی تھی۔ وہ قدم اٹھاتا بیڈ کے پاس رکھے سٹول پر بیٹھ کر بغور اس کا چہرہ

دیکھنے لگا۔ جو کبھی کھلتے گلاب کی مانند تھا اور اب سرسوں کے پھول کی طرح زردیوں میں گھل کملا گیا تھا۔

ابراہیم کو اپنے گزشتہ رویے پر پشیمانی ہوئی کہ اس نے زینب کو کیا سے کیا بنا ڈالا تھا۔ زینب کی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود تھا تو ازالہ بھی وہی کرے گا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ کسی بھی معاملے میں زینب کے ساتھ زور زبردستی نہیں کرے گا۔ وہ اس کے ساتھ رہنا چاہے گی تو ٹھیک۔ ورنہ وہ جو بھی فیصلہ لے گی وہ اس کا ساتھ دے گا۔

تھوڑی ہی دیر میں زینب کو ہوش آ گیا۔ ابراہیم کی موجودگی سے یکسر لاعلم وہ کچھ دیر اپنے اردگرد کا جائزہ لیتی رہی تاکہ سمجھ سکے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ جیسے ہی اپنی حالت اور جگہ کا اندازہ ہوا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس سعی میں اس کا سر چکرایا تو منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی۔

ابراہیم جو اپنی سوچوں میں گم تھا۔ اس کی کراہ سے ہوش میں آیا۔ وہ جلدی سے اسے تھامنے کو آگے بڑھا۔

"ارے۔ لیٹی رہو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ابھی۔" وہ جو اپنے سر کو تھامے بیٹھی تھی ابراہیم کی آواز پر یکدم آنکھیں کھولتے اپنا سر اٹھایا۔ اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرائے۔ جبکہ زینب کو خود سے خوفزدہ ہوتے دیکھ کر اس کا دل شرم سے ڈوب جانے کو کیا۔

"تمہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اب سے وہی ہو گا جو تم چاہو گی۔ تم گھر واپس جانا چاہتی ہو تو تب بھی میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس معاملے میں تم حق بجانب ہو۔ بس میں تمہیں اپنی کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں تمہیں بالکل تنگ نہیں کروں گا۔" ابراہیم نے اس کا خوف دور کرنے کے ساتھ التجاء کی۔

"بھائیوں میں چھوٹا ہونے کے باعث میں اپنے والدین کے بہت قریب تھا۔ اور ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ میں ہمیشہ ان کی زندگی کو آئیڈیلائز کرتا تھا۔ بابا جان کی رعب دار شخصیت اور امی جان کا فرمانبردار رویہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ انہیں دیکھ کر مجھے لگتا تھا کہ میاں بیوی کے رشتے کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ شوہر کا ایک سربراہ کی حیثیت سے سب پر رعب و دبہ قائم ہو۔ اور بیوی ایک گھر سنبھالنے والی سلیقہ مند عورت ہو۔ جو گھر کو مکان کی بجائے ایک گھر بنائے۔ اپنے دونوں بھائیوں کو ان کی بیویوں کے آگے پیچھے پھرتے دیکھ کر مجھے سخت چڑ ہوتی۔ ان کا کام ہی بس ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہوتا تھا۔ اسی لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ شادی ایسی لڑکی سے کروں گا جو نوکری پیشہ نہ ہو۔ اور گھریلو کاموں میں طاق ہو۔

اپنی نوکری کی وجہ سے میں اپنی شادی فراموش کر چکا تھا۔ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اپنے بھائیوں ٹال دیتا۔ مگر اس بار میرے بھائی ہر حال میں میری شادی کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے میں نے لڑکی کے متعلق اپنی پسند سے آگاہ کیا تاکہ وہ وقتی طور پر بہل جائیں۔ کیونکہ مجھے ایک سلجھی ہوئی گھریلو لڑکی

چاہیے تھی جس کی تمام تر توجہ اس کے شوہر اور گھر پر ہوتی۔ کہیں نہ کہیں میں مطمئن تھا کہ بھلاں ایسی لڑکی انہیں کہاں مل سکتی ہے۔ مگر سب میری توقع کے برعکس ہوا اور تمہاری نسبت مجھ سے طے ہو گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم عمر میں مجھ سے اتنی چھوٹی نکلو گی۔ اس لیے تمہاری بچگانہ حرکتیں مجھے طیش دلاتیں۔

کیوں کہ کہیں نہ کہیں تم بھی وہی سب کرنے لگی تھی جو میری بھابھیاں کرتی تھیں۔ اسی لیے میرا تم سے رویہ سخت تر ہوتا چلا گیا۔ اور میں نے تم پر ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اور بخدا میں ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا۔ جو ہوا بس غصے اور پریشانی کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ ان دنوں میں ایک کیس میں الجھا ہوا تھا۔ اور مخالف پارٹی نے تمہیں دیکھ کر انتہائی نازیبا گفتگو کی۔ جو مجھے غصہ دلانے کو کافی تھی۔" زینب منہ پر قفل لگائے بت بنی اس کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کی مسلسل خاموشی پر ابراہیم مزید گویا ہوا :

"مگر بعد میں اپنے اس عمل پر میں بہت پشیمان ہوا۔ میرے والدین نے میری ایسی تربیت تو نہیں کی تھی کہ میں ایک عورت پر ہاتھ اٹھاؤں۔ جو بھی تھا مگر مجھے اپنے غصے پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔ اس بات کیلئے میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔

میں نے تمہیں تمہاری دوست سے باتیں کرتے سن لیا تھا۔ میں تمہاری سوچ سے قطعاً لا علم تھا کہ مجھ سے شادی کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ خیر تم اپنی دوست کو اپنی خیریت سے آگاہ کر دو۔ وہ یقیناً

پریشان ہورہی ہو گی۔تب تک میں ڈاکٹر سے ڈسچارج سلپ بنوا کر لاتا ہوں۔اس حالت میں تمہیں بہت آرام کی ضرورت ہے۔"اس نے فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔ سچائی جان کر فون اپنے ہاتھ میں لیے دو آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

اپنے آنسو پونچھ کر مریم کو فون پر اپنی خیریت کے بارے مطلع کیا اور گھر والوں کو ابھی کچھ بھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔گھر آتے ہی ابراہیم نے زینب کیلئے پرہیزی کھانا بنا کر اسے کھلایا۔ پھر دوا دے کر سلا دیا۔ کچھ دیر بعد خود بھی تھکا تھکا سا بستر پر وہیں ایک طرف ڈھیر ہو گیا۔

اگلے دن زینب کی آنکھ دوپہر کے قریب کھلی۔کل سے لے کر اب تک اس نے ابراہیم سے کوئی بات نہیں کی تھی۔دو دن یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ کہنے کو جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔

اس کی طبیعت کے سنبھلتے ہی ابراہیم نے اسے اپنا سامان باندھنے کا کہا تا کہ اس کے گھر والوں کے پاس لے جا سکے۔زینب خاموشی سے اٹھی اور الماری سے چند جوڑے نکال کر ایک بیگ میں رکھ دیے۔پھر ابراہیم نے اسے چلنے کا عندیہ دیا تو وہ سست روی سے چلتی اس کی معیت میں گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔

دوران سفر دونوں نفوس کے درمیان خاموشی کی دیوار قائم رہی۔

گاڑی زینب کے گھر کے آگے رکتے ہی وہ نیچے اترا اور سامان اتار کر زینب کو لیے گھر کی جانب بڑھا۔ تمام گھر والے دونوں کی اچانک آمد پر بوکھلا سے گئے۔ آخر ان کا اکلوتا داماد بیٹی کے ساتھ پہلی بار گھر جو آیا تھا۔

زینب کی کملائی صورت دیکھ کر سب پریشان ہوئے۔ مگر صد شکر تھا کہ زینب نے کلثوم بیگم کو اپنی طبیعت کی خرابی کا بتا کر فی الحال مطمئن کر دیا۔

"میں ٹھیک ہوں امی۔ بس میری طبیعت۔۔۔" اس کے آہستگی سے کہنے پر ہی کلثوم بیگم سمجھ گئیں اور فرط جذبات سے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چومی۔ پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب نے دونوں کو مبارکباد دی۔

تھوڑی دیر میں ہی زینب کے گھر والوں نے ان دونوں کی آؤ بھگت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ جس سے ابراہیم شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا۔ اگر وہ جو جان لیتے کہ وہ ان کی بیٹی کے ساتھ کیسا ناروا سلوک اپنائے ہوئے تھا تو کیا وہ سب اس سے اتنی عزت سے پیش آتے؟ یقیناً ہرگز نہیں۔

وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس لیے رات کا کھانا کھاتے ہی واپسی کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور باوجود اصرار کے بھی نہ رکا۔

کلثوم بیگم کے کہنے پر جب زینب اسے باہر تک چھوڑنے آئی تو ابراہیم نے اسے مخاطب کیا :

"سنو ! اُس گھر اور گھر کے مکین کے دل کے دروازے ہمیشہ تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔ تم یہاں رہ کر اچھے سے سوچ لو۔ اگر تمہارا فیصلہ میرے حق میں ہوا تو ہم نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کریں گے۔ جس میں پرانے ابراہیم کی پرچھائی تک نہیں ہو گی۔ مگر زینب مجھے وہی پرانی والی ہی چاہیئے جو زندگی سے بھرپور ہوا کرتی تھی۔ میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گا۔ اب مجھے اجازت دو۔ اپنا ڈھیر سارا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔" اس کے ماتھے پر نرمی سے بوسہ دے کر وہ خود تو روانہ ہو گیا۔ مگر زینب کو ان دیکھے حصار میں جکڑ گیا۔

اب یہ تو وقت ہی جانتا تھا کہ زینب کیا فیصلہ لے گی۔ کیونکہ یہ حقیقی زندگی ہے۔ یہاں افسانوی دنیا کی طرح دو منٹ میں ہیرو اور ہیروئن میں تلافی ہو کر سب ٹھیک نہیں ہو جاتا۔ زخم مندمل ہونے کیلیئے وقت درکار ہوتا ہے۔ کھویا ہوا اعتبار دوبارہ جیتنے میں عرصہ لگ جاتا ہے۔ زخم بھر جاتے ہیں اور ان کے نشان وقت کے ساتھ مدھم تو ہو جاتے ہیں۔ مگر باقی ضرور رہ جاتے ہیں۔ تا کہ یہ ہر وقت آپ کو یاد دلاتے رہیں کہ فلاں وقت میں فلاں بن فلاں نے کیسا زخم دیا تھا۔

~•~•~•~•~•~•~ ختم شد ~•~•~•~•~•~•~